حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرب ممالک میں اسلامی علوم کا احیاء

سید جلال الدین عمری

اسلامی علوم کی بنیاد تو خلفاء راشدین کے عہد ہی میں پڑ چکی تھی لیکن ان کا باقاعدہ آغاز اموی دور میں ہوا اور عباسی دور میں انھیں عروج و کمال حاصل ہوا۔ ان ادوار میں کتاب و سنت کی روشنی میں اور ان کے مختلف تقاضوں کی تکمیل کے لئے نئے نئے علوم وجود میں آئے۔ ان کو مرتّب و مدوّن کیا گیا۔ ان کی شرح و تفسیر کی گئی، ان پر تحقیق و تنقید ہوئی۔ کھرے اور کھوٹے کو پہچاننے کے اصول وضع کئے گئے اور ان کے انطباق کی آزادانہ اور جرأتمندانہ کوششیں ہوئیں۔ چنانچہ تفسیر، حدیث فقہ، تاریخ، علم کلام، ادب اور لغت کے بڑے بڑے امام اس دور میں پیدا ہوئے اور مجتہدانہ کارنامے انجام پائے۔

اسی دور میں مسلمانوں نے ان علوم و فنون کی طرف بھی توجہ کی، جو یونان، فارس، روم مصر، اور ہندوستان وغیرہ میں پائے جاتے تھے۔ چنانچہ منطق، فلسفہ، ریاضی، طب، کیمیا وغیرہ سے متعلق بے شمار تصنیفات عربی میں منتقل ہوئیں۔ ان علوم کو مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ عربی میں منتقل کیا بلکہ جن ممالک میں یہ پیدا ہوئے اور جہاں ان کی نشو و نما ہوئی وہاں ان پر زوال آنے کے باوجود انہیں اپنے ہاں زندہ رکھا۔ ان میں مناسب حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ کی اور اپنی مجتہدانہ کاوشوں سے ان میں نئی روح پھونکی۔ مسلمانوں نے ان اجنبی علوم کو اس طرح اپنایا اور انھیں اسلامی رنگ دیا کہ انھیں خاص مسلمانوں کے علوم میں شمار کرنا بے جا نہ ہوگا۔

عباسی سلطنت کے زوال کے بعد اسلامی ملکوں، خاص طور پر عرب ملکوں میں ان علوم و فنون پر بھی زوال آیا، ہر طرف ایک طرح کا جمود چھا گیا۔ تحقیق کی جگہ تقلید کا دور شروع ہوا۔ سابقہ تحقیقات پر قناعت کا رجحان پرورش پانے لگا اور انھیں حرف آخر سمجھ کر قبول کر لیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں بھی ایسی شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں جن میں اجتہادی شان تھی جنھوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں نکالیں اور اس علمی سرمایہ میں اضافہ کیا جو ماضی سے ہمیں ملا تھا۔ اگر یہ شخصیتیں پیدا نہ ہوتیں تو امت علمی اور فکری لحاظ سے اب تک عباسی دور ہی میں ہوتی۔ اس اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ ابتدائی پانچ چھ صدیوں میں جو وسیع علمی ماحول تھا وہ سکڑنے لگا اور جو اجتہادی فضا تھی وہ باقی نہیں رہی البتہ کہیں کہیں اسے زندہ رکھنے کی کوشش ضرور ہو رہی تھی۔

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں اس صورت حال میں ایک خاص تبدیلی رونما ہوئی وہ یہ کہ عرب ممالک پر مغرب کے سیاسی غلبہ کے ساتھ مغرب کے علوم و افکار کی اشاعت بھی شروع ہوئی۔ دنیا کی دوسری محکوم قوموں کی طرح عرب ممالک نے بھی ان علوم کو مرعوبیت کے ساتھ قبول کیا۔ اس کی وجہ سے ان میں الحاد اور دہریت آئی۔ آزادی نسواں کی تحریک چلی، اخلاقی بندشیں ڈھیلی پڑیں، عریانیت اور فحاشی نے راہ پائی، قومیت کے تصور نے زور پکڑا اور ایک عرصہ تک قومیت کا تصور ان پر چھایا رہا۔

ان غیر اسلامی رجحانات سے جہاں معاشرہ پر غلط اثرات پڑ رہے تھے اور وہ اسلام سے دور ہو رہا تھا، وہاں مصر، شام اور عراق وغیرہ میں زبردست علمی حرکت بھی شروع ہوئی۔ اس کے چند نمایاں پہلو یہ تھے۔

١۔ عربوں نے جدید علوم کی طرف توجہ کی، ان سے استفادہ کیا اور انھیں عربی زبان میں منتقل کیا۔ بعض موضوعات پر انھوں نے جدید علوم کا اتنا ذخیرہ فراہم کر دیا کہ اس کی بنیاد پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔ اس طرح عربی زبان نئے افق سے آشنا ہوئی، اسے نئے موضوعات ملے اور نئے مسائل پر اس میں بحث و تمحیص شروع ہوئی۔

٢۔ عربی زبان جو کئی صدیوں سے جمود کا شکار تھی اسے نئی زندگی، قوت اور توانائی ملی، اس میں ایسے اصحاب قلم اور ناقد پیدا ہوئے جن کی نظر زبان کی نزاکتوں اور باریکیوں پر بڑی گہری تھی اور جن کی نگارشات نے عباسی دور کے ادیبوں کی یاد تازہ کر دی۔

٣۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، لغت، ادب، فلسفہ و کلام وغیرہ پر ہمارے اسلاف

کی بہترین علمی کاوشیں، جو مخطوطات کی شکل میں پوری دنیا میں بکھری ہوئی تھیں ان کی طباعت و اشاعت کا انتظام ہوا۔ ان کتابوں کو جس محنت، تلاش و جستجو، تحقیق و تنقید اور دیدہ وری کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ ان سے استفادہ آسان ہو گیا ہے بلکہ ان کی قدر و قیمت متعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

۴۔ اس مدت میں مختلف علوم پر کئی ایک ENCYCLOPEDIEAS اور معاجم لکھے گئے۔

اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بہت سے کام عرب قومیت کے جذبہ کے تحت انجام پائے۔ ان سے اسلامی فکر کی صحیح معنی میں ترجمانی نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامیات پر کام کرنے والوں کو ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔

۵۔ اس پوری مدت میں خالص دینی موضوعات پر بھی بڑا ٹھوس اور قیمتی کام ہوتا رہا ہے۔ عرب دنیا میں صحیح معنی میں اسلامی علوم کے احیاء کی تحریک سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کے ذریعہ شروع ہوئی۔ جمال الدین افغانی کی تگ و دو کا اصل رخ سیاسی تھا۔ انھوں نے علمی میدان میں بڑی خدمات تو انجام نہیں دیں لیکن ان کی وجہ سے علمی بیداری پیدا ہوئی۔ جمال الدین افغانی کی صحبت ہی نے شیخ محمد عبدہ کے اندر احیاء اسلام کا جذبہ پیدا کیا۔ وہ بلند پایہ عالم دین بھی تھے اور نکتہ رس ادیب بھی۔ وہ ادب اور اسلامی علوم دونوں میں تجدید چاہتے تھے۔ اس کے لئے انھوں نے قدیم نصاب تعلیم میں اصلاح کی اور اپنے نہج پر درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ انھوں نے بے شمار مقالات لکھے۔ ان میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی تھے، دین کی صحیح ترجمانی بھی تھی اور اعلیٰ ادب بھی تھا۔ انھوں نے 'نہج البلاغہ' کی شرح لکھ کر ادب کو ایک نیا رخ دیا۔ 'رسالۃ التوحید' کے ذریعہ جدید علم کلام کی بنیاد رکھی۔ طلباء کے لئے قرآن شریف کے آخری پارہ کی تفسیر لکھی۔ شیخ محمد عبدہ جدید و قدیم کا امتزاج چاہتے تھے۔ وہ قدیم علوم اور نئے رجحانات دونوں سے واقف تھے اور قرآن کی روشنی میں ان سے بحث کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ بعض اوقات قدیم علماء و مفسرین سے اختلاف بھی کرتے

تھے۔ انھوں نے اسی نہج پر قرآن مجید کا درس شروع کیا۔ علامہ سید رشید رضا نے اس درس کے جو نوٹس لئے تھے ان کی بنیاد پر اپنی مشہور تفسیر المنار لکھی، جو بارہ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ یہ تفسیر گو مکمل نہیں ہوئی اور صرف بارہ پاروں کی لکھی جا سکی۔ لیکن اسلامی علوم کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس میں لغت اور زبان کے مسائل سے بھی بحث ہے۔ روایات کی صحت اور ضعف پر بھی گفتگو ہے، جمود اور تعطل پر تنقید بھی ہے اور اجتہاد کی دعوت بھی، مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی ہے اور مسائل کی تنقیح و توضیح بھی۔ اسے دور جدید کی پہلی اہم تفسیر کہا جا سکتا ہے۔

اسی دور میں احمد مصطفی المراغی اور محمد جمال الدین قاسمی کی ضخیم تفسیریں شائع ہوئیں، جو بڑی حد تک ان ہی مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں جو المنار کے مقاصد ہیں۔ علامہ طنطاوی کی تفسیر الجواہر تیس جلدوں میں اسی دور میں چھپی۔ انھوں نے قرآن مجید کو جدید سائنسی تحقیقات اور عقلی علوم سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ بعض کمزوریوں کے باوجود امام رازی کی تفسیر کبیر کے بعد یہ اپنی نوعیت کی دوسری اہم کوشش تھی۔

ماضی قریب میں سید قطب شہیدؒ نے آٹھ ضخیم جلدوں میں 'فی ظلال القرآن' لکھی وہ جدید ذہن کی الجھنوں اور اس کے فکری و عملی مسائل سے براہ راست واقف تھے اور اسلام کی طرف سے اس کا جواب بھی دے سکتے تھے۔ اپنی اس تفسیر اور دوسری تصنیفات میں انھوں نے یہی خدمت انجام دی۔ عالم عرب کے نوجوانوں کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے میں ان کی تصنیفات نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔

اس دور میں بڑے بڑے محدثین بھی پیدا ہوئے۔ "مسند احمد" حدیث کا ایک دائرۃ المعارف ہے جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ امام احمد کو جن صحابہ کی روایات ملیں ان میں سے ایک ایک کی روایات کو انھوں نے الگ الگ جمع کر دیا ہے۔ اس میں کوئی خاص ترتیب ان کے پیش نظر نہیں تھی۔ پھر یہ کہ انھوں نے صرف صحیح روایات کو جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ جو بھی احادیث کسی صحابی سے روایت کی گئیں ان سب کو کتاب میں لے لیا۔ اس وجہ سے مسند احمد میں کسی موضوع سے متعلق روایات کا تلاش کرنا اور ان کی صحت پر اطمینان کرنا بہت مشکل تھا

اسی وجہ سے قدیم مصنفین میں بھی چندہی ایسے ہیں جنھوں نے مسند سے براہ راست استفادہ کیا ہو۔ اس کی روایات کی شرح و تفسیر اور تحقیق و تنقید پر تو بہت ہی کم کام ہوا تھا۔ اس دور میں شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا اور شیخ احمد محمد شاکر جیسے چوٹی کے محدثین نے اس کی طرف توجہ کی۔ عبدالرحمٰن البنا نے پوری کتاب کو فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا اور اس کی شرح و تفسیر لکھی۔ کتاب کی پندرہ جلدیں بہت پہلے شائع ہو چکی تھیں بقیہ کا حال معلوم نہیں ہے۔

احمد محمد شاکر نے مسند احمد کی ترتیب کو بدلے بغیر ایک ایک روایت کی سند پر بحث کی۔ اگر یہ روایت حدیث کی دوسری کتابوں میں یا خود مسند میں دوسرے مقامات پر مختصر یا مفصل آئی ہے تو اس کی نشاندہی کی ہے اور روایت کے مشکل مقامات کو حل بھی کیا ہے پھر ہر جلد کے آخر میں ایسی فہرستیں مرتب کر دی ہیں کہ اس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ اسے جدید ریسرچ اور تحقیق کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی اب تک تقریباً بیس جلدیں آچکی ہیں۔ شیخ احمد محمد شاکر کے انتقال کے بعد غالباً کچھ اور اصحاب علم نے اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ احمد محمد شاکر نے جامع ترمذی پر بھی اسی نوعیت کا کام شروع کیا تھا جو شائد مکمل نہیں ہو سکا لیکن جو جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان میں ان کا محدثانہ انداز پوری طرح موجود ہے۔

شیخ ناصر الدین البانی بھی اس دور کے چوٹی کے محدث ہیں۔ ان کی 'سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ' اور 'سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ' اپنے اپنے موضوع پر معرکہ کی کتابیں ہیں۔ انھوں نے بہت سی کتابوں کو ایڈٹ کیا اور ان پر محدثانہ طریقہ سے بحث کی۔ ان کا انداز بعض اوقات سخت ہوتا ہے لیکن ان کی بحث و تنقید بڑی وزنی اور جاندار ہوتی ہے۔

اسی طرح محمد فواد عبدالباقی، عبدالقادر الارناؤط، شعیب الارناؤط اور زہیر الشاویش وغیرہ نے حدیث کی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔

ان سب حضرات کی فن حدیث، رجال اور شروح حدیث پر جتنی وسیع اور گہری نظر ہے اس کی مثالیں قدماء میں بھی کم ہی ملیں گی۔

فقہ اور اصول فقہ پر بھی اس دور میں غیر معمولی کام ہوا۔ قدیم فقہ کو از سر نو مرتب کرنے کی کوشش کی گئی۔ فقہ کے قدیم مآخذ کی جدید طرز پر فہرستیں اور انڈکس تیار ہوئے۔ جیسے ابن حزم کی 'المحلیٰ' اور ابن قدامہ کی 'المغنی' کے انڈکس۔ مختلف مسائل فقہ پر جن میں جدید مسائل بھی شامل ہیں، بڑا علمی اور تحقیقی کام ہوا۔ اصول فقہ کے مباحث، کتاب، سنت، قیاس، اجماع، عرف، مصالح وغیرہ پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ اس میں کسی ایک فقہ یا مسلک کی پابندی کی جگہ سب ہی مسالک کو سامنے رکھا گیا اور آزادانہ بحث کے ذریعہ صحیح نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ کام عرصہ دراز سے ہمارے یہاں بند تھا۔ عرب مصنفین نے گویا دوبارہ اسے شروع کیا۔

سیرت اور تاریخ عرب مصنفین کا خاص موضوع رہا ہے۔ ہمارے قدیم مورخین عموماً واقعات کو سنین کی ترتیب سے بیان کرتے ہیں اس کا نقص یہ تھا کہ واقعات کا تسلسل باقی نہیں رہتا اور اس کے اسباب وعلل پوری طرح سامنے نہیں آتے، پھر یہ کہ کسی دور کے تہذیب، تمدن اور معاشرت وغیرہ سے بھی براہ راست بحث نہیں ہوتی تھی دور جدید میں شیخ محمد خضری نے اس طرف توجہ کی اور تاریخ الامم الاسلامیہ کے نام سے اپنے محاضرات کی تین جلدیں لکھیں جس میں دور رسالت سے بنو عباس کے زوال تک بحث تھی۔ نور الیقین فی مناقب سید المرسلین اور اتمام الوفا فی مناقب الخلفا کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے حالات الگ سے بھی لکھے۔ 'تاریخ التشریع الاسلامی' کے نام سے فقہ اسلامی کی تاریخ مرتب کی۔ خضری کے بعد احمد امین نے 'فجر الاسلام'، 'ضحی الاسلام' اور 'ظہر الاسلام' کے نام سے اسلام کی علمی، سماجی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ تفصیل سے لکھی۔ احمد امین مورخ بھی تھے اور ادیب بھی۔ ان کے اچھوتے انداز تحریر نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ البتہ ان کے نقطۂ نظر سے پوری طرح اتفاق کرنا مشکل ہے وہ مستشرقین سے بڑی حد تک مرعوب تھے۔ لیکن احمد امین ہی کے معاصرین میں یا ان کے کسی قدر بعد لکھنے والوں میں ایسے اصحاب قلم پیدا ہوئے جنھوں نے اسلامی تاریخ کو صحیح رنگ میں دیکھنے کی کوشش کی۔ دور جدید کے عرب مصنفین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، اکابر

صحابہ، ائمہ فقہ، علماء و متکلمین اور اسلام کی بڑی بڑی شخصیتوں پر اتنا کچھ لکھا ہے اور اس قدر تحقیقی انداز میں لکھا ہے کہ اس کی قدر و قیمت شائد عرصہ تک باقی رہے گی۔

اس کے علاوہ اسلام کے سیاسی، قانونی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی، علمی اور اخلاقی پہلوؤں پر جو زبردست لٹریچر فراہم کیا گیا ہے اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل مضمون چاہئے۔

ہماری زبان میں اسلامیات پر جو علمی کام ہوا ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن عربی زبان میں جو قدیم علمی ذخیرہ ہے اس سے قطع نظر دور جدید میں جس معیار کا کام ہوا ہے وہاں تک ہماری زبان کو پہونچنے میں ابھی ایک عرصہ لگے گا۔ افسوس کہ اسلامیات پر ہمارے کام کرنے والے بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ جب تک قدیم و جدید سرمایہ پر نظر نہ ہو ریسرچ اور تحقیق کا کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔

کچھ رسالہ اور ادارہ سے متعلق | خدا کا شکر ہے کہ 'تحقیقات اسلامی' کے پہلے شمارہ کا علمی حلقوں نے توقع سے زیادہ ہی خیر مقدم کیا۔ یہ دوسرا شمارہ امید ہے پہلے شمارہ سے بھی زیادہ پسند کیا جائے گا۔ اس میں بھی نامور لکھنے والوں نے حصہ لیا ہے۔

تحقیقات اسلامی کے پہلے شمارہ میں اطلاع دی جا چکی ہے کہ راقم کے ایک مضمون کا انگریزی ترجمہ ISLAM THE UNIVERSAL TRUTH چھپ گیا ہے۔ اب الحمد اللہ مزید دو کتابچوں کے ترجمے تیار ہیں توقع ہے جلد ہی چھپ جائیں گے۔ ان میں سے ایک ہے HOW TO-STUDY ISLAM - یہ صدر ادارہ مولانا صدر الدین اصلاحی کے کتابچہ 'دین کا مطالعہ' کا ترجمہ ہے اس میں مولانا محترم نے قرآن، حدیث، سیرت اور اسلامی لٹریچر کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے کس کی کیا اہمیت ہے اور اس کے مطالعہ میں کن باتوں کی رعائت کرنی چاہئے۔

دوسرا کتابچہ راقم کا ہے، اسلام اور وحدت بنی آدم۔ اس کا ترجمہ ISLAM AND THE UNITY OF MAN - کے نام سے ہوا ہے۔ اس کتابچہ میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کے نزدیک سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس لئے وہ سب ایک ہی خاندان کے فرد ہیں۔ ان کے درمیان رنگ، نسل، قوم، زبان اور پیشہ وغیرہ کے اختلافات غیر حقیقی اور مصنوعی ہیں۔